

تفہیم القرآن

الجاثیہ

نام | آیت ۲۸ کے فقرہ وَتَوْرٰی کُلِّ اُمَّةٍ جَارِثِیَّةً سے ماخوذ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ سورۃ جس میں لفظ جاثیہ آیا ہے۔

زمانہ نزول | اس سورۃ کا زمانہ نزول بھی کسی معتبر روایت میں بیان نہیں ہوا ہے۔ مگر اس کے مضامین سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ سورۃ دُخان کے بعد قریبی زمانے میں نازل ہوئی ہے۔ دونوں سورتوں کے مضامین میں ایسی مشابہت ہے جس سے یہ دونوں تو آم نظر آتی ہیں۔

موضوع اور مباحث | اس کا موضوع توحید و آخرت کے متعلق کفار کبر کے شبہات و اعتراضات کا جواب دینا، اور اُس رویے پر اُن کو مستنبت کرنا ہے جو انہوں نے قرآن کی دعوت کے مقابلے میں اختیار کر رکھا تھا۔

کلام کا آغاز توحید کے دلائل سے کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں انسان کے اپنے وجود سے لے کر زمین و آسمان تک ہر طرف پھیلی ہوئی بے شمار نشانیوں کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا ہے کہ تم جِدھر بھی نگاہ اٹھا کر دیکھو، ہر چیز اُسی توحید کی شہادت دے رہی ہے جسے ماننے سے تم انکار کر رہے ہو۔ یہ طرح طرح کے حیوانات، یہ شب و روز، یہ بارشیں اور ان سے اُگنے والی نباتات، یہ ہوائیں، اور یہ انسان کی اپنی پیدائش، ہن ساری چیزوں کو اگر کوئی شخص آنکھیں کھول کر دیکھے اور کسی تعصب کے بغیر اپنی عقل کو

سیدھے طریقے سے استعمال کر کے ان پر غور کر کے تو یہ نشانیاں اسے اس امر کا یقین دلانے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ یہ کائنات بے خدا نہیں ہے، نہ بہت سے خداؤں کی خدائی میں چل رہی ہے، بلکہ ایک ہی خدا نے اسے بنایا ہے، اور وہی اکیلا اس کا مبدئ اور فرما نروا ہے۔ البتہ اُس شخص کی بات دوسری ہے جو نہ ماننے کی قسم کھا کر بیٹھ گیا ہو، یا شکوک و شبہات ہی میں پڑے رہنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔ اُسے دنیا میں کہیں سے بھی یقین و ایمان کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی۔

اگے چل کر دوسرے رکوع کی ابتدا میں پھر فرمایا گیا ہے کہ انسان اس دنیا میں جتنی چیزوں سے کام لے رہا ہے، اور جو بے حد و حساب اشیاء اور قوتیں اس کائنات میں اُس کے مفاد کی خدمت کر رہی ہیں، وہ آپ سے آپ کہیں سے نہیں آگئی ہیں، نہ دیوبوں اور دیوتاؤں نے انہیں فراہم کیا ہے، بلکہ وہ ایک ہی خدا ہے جس نے یہ سب کچھ اپنے پاس سے اُس کو بخشا اور اُس کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ کوئی شخص صحیح غور و فکر سے کام لے تو اس کی اپنی عقل ہی پکاراٹھے گی کہ وہی خدا انسان کا مَن ہے اور اُسی کا یہ حق ہے کہ انسان اُس کا شکر گزار ہو۔

اس کے بعد کفار مکہ کو اُس مہٹ دھرمی، ایشکیار، استہزاء اور اصرار علی الکفر پر سخت ملامت کی گئی ہے جس سے وہ قرآن کی دعوت کا مقابلہ کر رہے تھے، اور انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ یہ قرآن وہی نعمت لے کر آیا ہے جو پہلے نبی اسرائیل کو دی گئی تھی، جس کی بدولت وہ تمام اقوام عالم پر فضیلت کے مستحق ہوئے تھے انہوں نے جب اس نعمت کی ناقدری کی اور دین میں اختلاف کر کے اسے کھو دیا، تو اب یہ دولت تمہارے ہاں بھیجی گئی ہے۔ یہ ایک ایسا ہدایت نامہ ہے جو دین کی صدا شناسراہ انسان کو دکھاتا ہے۔ جو لوگ اپنی جہالت و حماقت سے اس کو رد کرینگے وہ اپنی ہی تباہی کا سامان کرینگے۔ اور خدا کی تائید و رحمت کے مستحق صرف وہ لوگ

ہونگے جو اس کی پیروی قبول کر کے تقویٰ کی روش پر قائم ہو جائیں۔

اسی سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کو ہدایت کی گئی ہے کہ یہ خدا سے بے خوف لوگ تمہارے ساتھ جو یہود گیاں کر رہے ہیں ان پر درگزر اور تحمل سے کام لو تم صبر کرو گے تو خدا خود ان سے نمٹے گا اور تمہیں اس صبر کا اجر عطا فرمائے گا۔

پھر عقیدہ آخرت کے متعلق کفار کے جاہلانہ خیالات پر کلام کیا گیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے، اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے۔ ہم گردش آیام سے بس اسی طرح مرتے ہیں جس طرح ایک گھڑی چلتے چلتے رک جاتا ہے۔ موت کے بعد کوئی روح باقی نہیں رہتی جسے قبض کیا جاتا ہو اور پھر کسی وقت دوبارہ لاکہ انسانی جسم میں پھینک دیا جائے۔ اس چیز کا اگر تمہیں دعویٰ ہے تو ہمارے مرے ہوئے آبا و اجداد کو زندہ کر کے دکھاؤ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پے درپے چند دلائل ارشاد فرماتے ہیں:

ایک یہ کہ تم یہ بات کسی علم کی بنا پر نہیں کہہ رہے ہو بلکہ محض گمان کی بنیاد پر اتنا بڑا حکم نگاٹیٹھے ہو۔ کیا فی الواقع تمہیں یہ علم ہے کہ مرنے کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں ہے اور روحیں قبض نہیں کی جاتیں بلکہ فنا ہو جاتی ہیں؟

دوسرے یہ کہ تمہارے اس دعوے کی بنیاد زیادہ سے زیادہ بس یہ ہے کہ تم نے کسی مرنے والے کو اٹھ کر دنیا میں آتے نہیں دیکھا ہے۔ کیا یہ بات اتنا بڑا دعویٰ کر دینے کے لیے کافی ہے کہ مرنے والے پھر کبھی نہیں اٹھیں گے؟ کیا تمہارے تجربے اور مشاہدے میں کسی چیز کا نہ آنا یہ معنی رکھتا ہے کہ تمہیں اس چیز کے نہ ہونے کا علم حاصل ہے؟

تیسرے یہ کہ یہ بات سراسر عقل اور انصاف کے خلاف ہے کہ نیک اور

بد، فرمانبردار اور نافرمان، ظالم اور مظلوم، آخر کار سب یکساں کر دیئے جاتیں گے۔ بھلائی کا کوئی اچھا نتیجہ اور کسی برائی کا کوئی بُرا نتیجہ نہ نکلے، نہ کسی مظلوم کی وادہ سی ہو اور نہ کوئی ظالم اپنے کیے کی سزا پاتے، بلکہ سب ایک ہی انجام سے دوچار ہوں گے۔ خدا کی اس کائنات کے متعلق جس نے یہ تصور قائم کیا ہے اُس نے بڑا ہی غلط تصور قائم کیا ہے۔ اس تصور کو ظالم اور بدکار لوگ تو اس لیے اختیار کرتے ہیں کہ وہ اپنے افعال کا بُرا نتیجہ نہیں دیکھنا چاہتے، لیکن خدا کی یہ عدائی اندھیر نگر ہی نہیں ہے، بلکہ یہ ایک برحق نظام ہے جس میں نیک و بد کو بالآخر یکساں کر دینے کا ظلم ہرگز نہیں ہو سکتا۔

چوتھے یہ کہ انکارِ آخرت کا عقیدہ اخلاق کے لیے سخت تباہ کن ہے۔ اس کو اختیار وہی لوگ کرتے ہیں جو اپنے نفس کے بندے بنے ہوئے ہیں، اور اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں بندگی نفس کی کھلی چھوٹ مل جائے۔ پھر جب وہ اس عقیدے کو اختیار کر لیتے ہیں تو یہ انہیں گمراہ سے گمراہ تر کرتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ اُن کی اخلاقی حس بالکل مُردہ ہو جاتی ہے اور ہدایت کے تمام دروازے اُن کے لیے بند ہو جاتے ہیں۔

یہ دلائل دینے کے بعد اللہ تعالیٰ پورے زور کے ساتھ فرماتا ہے کہ جس طرح تم آپ سے آپ زندہ نہیں ہو گئے ہو، بلکہ ہمارے زندہ کرنے سے زندہ ہوتے ہو، اسی طرح تم آپ سے آپ نہیں مرجاتے، بلکہ ہمارے موت دینے سے مرتے ہو، اور ایک وقت یقیناً ایسا آتا ہے جب تم سب بیک وقت جمع کیے جاؤ گے۔ اس بات کو اگر آج تم اپنی جہالت و نادانی سے نہیں مانتے تو نہ مانو، جب وہ وقت آجائے گا تو تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے کہ اپنے خدا کے حضور پیش ہوا اور تمہارا پورا نامہ اعمال بے کم دست

تیار ہے جو تمہارے ایک ایک کزوت کی شہادت دے رہا ہے۔ اس وقت تم کو معلوم ہو جائے گا کہ عقیدہ آخرت کا یہ انکار اور اُس کا یہ مذاق جو تم اڑا رہے ہو تمہیں کس قدر ہنکا پڑا ہے۔

اللہ کے نام سے جو رحمان اور رحیم ہے
ح م۔ اس کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکیم ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین میں بے شمار نشانیاں ہیں ایمان لانے والوں کے لیے

۱۔ یہ اس سورے کی مختصر تمہید ہے جس میں سامعین کو دو باتوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر نازل ہو رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے وہ خدا نازل کر رہا ہے جو زبردست بھی ہے اور حکیم بھی۔ اس کا زبردست ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ انسان اس کے فرمان سے سزائی کی جرأت نہ کرے، کیونکہ نافرمانی کر کے وہ اُس کی سزا سے کسی طرح بچ نہیں سکتا۔ اور اُس کا حکیم ہونا اس کا متقاضی ہے کہ انسان پورے اطمینان کے ساتھ برضا و رغبت اُس کی ہدایات اور اس کے احکام کی پیروی کرے، کیونکہ اُس کی کسی تعلیم کے غلط یا نامناسب یا نقصان دہ ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

۲۔ تمہید کے بعد اصل تقریر کا آغاز اس طرح کرنے سے عسات محسوس ہوتا ہے کہ پس منظر میں اہل مکہ کے وہ اعتراضات ہیں جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کردہ تعلیم پر کر رہے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ آخر محض ایک شخص کے کہنے سے ہم اتنی بڑی بات کیسے مانیں کہ جن بزرگ ہستیوں کے آستانوں سے آج تک ہماری عقیدتیں وابستہ رہی ہیں وہ سب بیچ ہیں اور خدائی بس ایک خدا کی ہے۔ اس پر فرمایا جا رہا ہے کہ جس حقیقت کو ماننے کی دعوت تمہیں دی جا رہی ہے اس کی سچائی کے نشانات سے تو سارا عالم بھرا پڑا ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو۔ تمہارے اندر اور تمہارے باہر ہر طرف نشانیاں ہی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں جو شہادت دے رہی ہیں کہ یہ ساری کائنات ایک خدا اور ایک ہی خدا کی تخلیق ہے اور وہی اکیلا اس کا مالک حاکم اور

اور تہاری اپنی پیدائش میں، اور ان حیوانات میں جن کو اللہ زمین میں پھیلا رہا ہے، بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو یقین لانے والے ہیں۔ اور شب و روز کے فرق و اختلاف میں، اور اس رزق مدبر ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہ تھی کہ آسمان زمین میں نشانیاں کس چیز کی ہیں۔ اس لیے کہ سارا کچھ بڑی ہی اُس وقت اس بات پر چل رہا تھا کہ مُشْرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں اور معبودوں کو بھی ماننے پر اصرار کر رہے تھے، اور قرآن کی دعوت یہ تھی کہ ایک خدا کے سوا نہ کوئی خدا ہے نہ معبود۔ لہذا ایسے کہے یہ بات آپ ہی آپ متوجع و محمل سے ظاہر ہو رہی تھی کہ نشانوں سے مراد توحید کی صداقت اور شرک کے بطلان کی نشانیاں ہیں۔ پھر یہ جو فرمایا کہ یہ نشانیاں ایمان لانے والوں کے لیے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ جانتے خود تو یہ نشانیاں سارے ہی انسانوں کے لیے ہیں، لیکن انہیں دیکھ کر صیح نیچے پر وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو ایمان لانے کے لیے تیار ہوں غفلت میں پڑے ہوئے لوگ، جو جانوروں کی طرح جیتے ہیں، اور ہٹ مہم لوگ، جو نہ ماننے کا تہیہ کیے بیٹھے ہیں، ان کے لیے ان نشانوں کا ہونا اور نہ ہونا یکساں ہے۔ چمن کی رونق اور اس کا حسن و جمال تو آنکھوں والے کے لیے ہے۔ اندھا کسی رونق اور کسی حُسن و جمال کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کے لیے چمن کا وجود ہی بے معنی ہے۔

۳۔ یعنی جو لوگ انکار کا فیصلہ کر چکے ہیں، یا جنہوں نے شک ہی کی بھول بھلیوں میں جھٹکنا اپنے لیے پسند کر لیا ہے اُن کا معاملہ تو دوسرا ہے، مگر جن لوگوں کے دل کے دروازے یقین کے لیے بند نہیں ہوئے ہیں وہ جب اپنی پیدائش پر، اور اپنے وجود کی ساخت پر، اور زمین میں پھیلے ہوئے انواع و اقسام کے حیوانات پر غور کی نگاہ ڈالیں گے تو انہیں بے شمار علامات ایسی نظر آئیں گی جنہیں دیکھ کر یہ شبہ کرنے کی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہ رہے گی کہ شاید یہ سب کچھ کسی خدا کے بغیر بن گیا ہو، یا شاید اس کے بنانے میں ایک سے زیادہ خداؤں کا دخل ہو۔ (تشریح کے لیے ملاحظہ ہو جلد اول، ص ۵۳۰-۵۳۸، جلد دوم، ص ۵۲۶-۵۲۷، جلد سوم، ص ۲۰۱ تا ۲۰۲۔

۲۶۹-۲۵۸-۵۰۲-۵۰۳-۵۹۳-۵۹۴-۲۲۲ تا ۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶۔ جلد چہارم الحجرتی، آیت ۱۸۱، آیت ۱۸۲ تا ۱۸۳۔ آیت ۶، المؤمن، حواشی ۹۷-۹۸-۱۱۰)

۱۱۔ رات اور دن کا یہ فرق و اختلاف اس اعتبار سے بھی ہے کہ دونوں پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک

میں جسے اللہ آسمان سے نازل فرماتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے مردہ زمین کو جلا اٹھاتا ہے، اور ہواؤں کی گردش میں شہت نشائیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔ یہ اللہ کی نشائیاں

دوسرے کے بعد آتے ہیں، اور اس اعتبار سے بھی کہ ایک روشن ہے اور دوسرا تاریک، اور اس اعتبار سے بھی کہ ایک مدت تک بڑی تدریج کے ساتھ دن چھوٹا اور رات بڑی ہوتی چلی جاتی ہے، پھر ایک وقت جا کر دنوں برابر ہو جاتے ہیں، پھر تدریج دن بڑا اور رات چھوٹی ہوتی چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ پھر دنوں برابر ہو جاتے ہیں۔ یہ مختلف قسم کے فرق و اختلاف جو رات اور دن میں پاتے جاتے ہیں اور ان سے جو عظیم حکمتیں وابستہ ہیں، وہ اس بات کی صریح علامت ہیں کہ سورج اور زمین اور موجودات زمین کا خالق ایک ہی ہے، اور ان دونوں گروں کو ایک ہی زبردست اقتدار نے قابو میں کر رکھا ہے، اور وہ کوئی اندھا بہر ایہ حکمت اقتدار نہیں ہے بلکہ ایسا حکیمانہ اقتدار ہے جس نے بہ اٹل حساب قائم کر کے اپنی زمین کو زندگی کی ان بے شمار انواع کے لیے موزوں جگہ بنا دیا ہے جو نباتات، حیوانات اور انسان کی شکل میں اُس نے یہاں پیدا کی ہیں۔

ذکر شرح کے لیے ملاحظہ ہو جلد دوم، ص ۲۹۶-۲۹۷ جلد سوم، ص ۶۰۶-۶۰۹-جلد چہارم، لقمان، آیت ۲۹، حاشیہ ۵۰-نیس آیت ۳۷، حاشیہ ۳۲)

۵۰ رزق سے مراد یہاں بارش ہے، جیسا کہ بعد کے فقرے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے۔

۵۱ ذکر شرح کے لیے ملاحظہ ہو جلد سوم، ص ۲۷۰-۲۷۱-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۹-۵۸۹-۶۸۵۹-

۶۲-۶۳-جلد چہارم، نیس حواشی ۲۶ تا ۳۱-

۵۲ ہواؤں کی گردش سے مراد مختلف اوقات میں زمین کے مختلف حصوں پر اور مختلف بلندیوں

پر مختلف قسم کی ہوائیں چلنا ہے جن سے موسموں کی تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ دیکھنے کی چیز صرف اتنی ہی

نہیں ہے کہ زمین کے اوپر ایک وسیع کرہ ہوائی پایا جاتا ہے جس کے اندر وہ تمام عناصر موجود ہیں جو زندہ مخلوق

کو سانس لینے کے لیے درکار ہیں، اور ہوا کے اسی لحاظ نے زمین کی آبادی کو بہت سی آفاتِ سماوی

سے بچا رکھا ہے۔ اس کے ساتھ دیکھنے کی چیز یہ بھی ہے کہ یہ ہوا محض بالائی فضا میں بھر کر نہیں رہ گئی ہے

ہیں جنہیں ہم تمہارے سامنے ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں۔ اب آخر اللہ اور اس کی آیات کے بعد اور کون سی بات ہے جس پر یہ لوگ ایمان لائیں گے۔

تباہی ہے ہر اُس جھوٹے بد اعمال شخص کے لیے جس کے سامنے اللہ کی آیات پڑھی جاتی

بلکہ وقتاً فوقتاً مختلف طریقوں سے چلتی رہتی ہے کبھی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے اور کبھی گرم۔ کبھی بند ہو جاتی ہے اور کبھی چلنے لگتی ہے کبھی ہلکی چلتی ہے تو کبھی تیز، اور کبھی آندھی اور طوفان کی شکل اختیار کر لیتی ہے کبھی ٹھنڈی ہوا چلتی ہے اور کبھی مرطوب کبھی بارش لانے والی ہوا چلتی ہے اور کبھی اُس کو اڑانے والی چل پڑتی ہے۔ یہ طرح طرح کی ہوا میں کچھ یونہی اندھا دھند نہیں چلتیں بلکہ ان کا ایک قانون اور ایک نظام ہے جو شہادت دیتا ہے کہ یہ انتظام کمال درجہ حکمت پر مبنی ہے اور اس سے بڑے اہم مفاسد پورے ہو رہے ہیں۔ پھر اس کا بڑا گہرا تعلق اُس سردی اور گرمی سے ہے جو زمین اور سورج کے درمیان بدلتی ہوئی مناسبتوں کے مطابق گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے، اور مزید برآں اس کا نہایت گہرا تعلق موسمی تغیرات اور بارشوں کی تقسیم سے بھی ہے۔ یہ ساری چیزیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کسی اندھی فطرت نے اتفاقاً یہ انتظامات نہیں کر دیئے ہیں، نہ سورج اور زمین اور ہوا اور پانی اور نباتات اور حیوانات کے الگ الگ مدبر ہیں، بلکہ لازماً ایک ہی خدا ان سب کا خالق ہے اور اسی کی حکمت نے ایک مقصدِ عظیم کے لیے یہ انتظام قائم کیا ہے، اور اسی کی قدرت سے یہ پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک منقرض قانون پر چل رہا ہے۔

شہ یعنی جب اللہ کی ہستی اور اس کی وحدانیت پر خود اللہ ہی کے بیان کیے ہوئے یہ دلائل سامنے آجانے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہیں لانے تو اب کیا چیز ایسی آسکتی ہے جس سے انہیں دولتِ ایمان نصیب ہو جائے۔ اللہ کا کلام تو وہ آخری چیز ہے جس کے ذریعہ سے کوئی شخص یہ نعمت پاسکتا ہے۔ اور ایک اُن دیکھی حقیقت کا یقین دلانے کے لیے زیادہ سے زیادہ جو معقول دلائل ممکن ہیں وہ اس کلامِ پاک میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اس کے بعد اگر کوئی انکار ہی کرنے پر تیار ہوا ہوتا تو انکار کرتا رہے۔ اُس کے انکار سے حقیقت نہیں بدل جائے گی۔

ہیں، اور وہ اُن کو سنتا ہے، پھر لوہے استکبار کے ساتھ اپنے کفر پر اس طرح اڑا رہتا ہے کہ گویا اس نے اُن کو سنا ہی نہیں ہے۔ ایسے شخص کو دردناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔ ہماری آیات میں سے کوئی بات جب اس کے علم میں آتی ہے تو وہ اُن کا مذاق بنا لیتا ہے۔ ایسے سب

۹۔ بالفاظِ دیگر، فزق اور بہت بُرا فرق ہے اُس شخص میں جو نیک نیتی کے ساتھ اللہ کی آیات کو کھلے دل سے سُنتا اور سنجیدگی کے ساتھ ان پر غور کرتا ہے، اور اُس شخص میں جو انکار کا پیشگی فیصلہ کر کے سُنتا ہے اور کسی غور و فکر کے بغیر اپنے اسی فیصلے پر قائم رہتا ہے جو ان آیات کو سُنانے سے پہلے وہ کر چکا تھا پہلی قسم کا آدمی اگر آج ان آیات کو سُن کر ایمان نہیں لارہا ہے تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ کافر رہنا چاہتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مزید اطمینان کا طالب ہے، اس لیے اگر اس کے ایمان لانے میں دیر بھی لگ رہی ہے تو یہ بات عین متوقع ہے کہ کل کوئی دوسری آیت اس کے دل میں اُتر جائے اور وہ مطمئن ہو کر مان لے لیکن دوسری قسم کا آدمی کبھی کوئی آیت سُن کر بھی ایمان نہیں لاسکتا کیونکہ وہ پہلے ہی آیاتِ الہی کے لیے اپنے دل کے دروازے بند کر چکا ہے۔ اس حالت میں بالعموم وہ لوگ مبتلا ہونے میں جن کے اندر تین صفات موجود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ جھوٹے ہوتے ہیں اس لیے صداقت ان کو اپیل نہیں کرتی۔ دوسرے یہ کہ وہ بد عمل ہوتے ہیں، اس لیے کسی ایسی تعلیم و ہدایت کو مان لینا انہیں سخت ناگوار ہوتا ہے جو ان پر اخلاقی پابندیاں عائد کرتی ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ اس گنہگار میں مبتلا ہوتے ہیں کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں ہمیں کوئی کیا سکھائے گا، اس لیے اللہ کی جو آیات نہیں سنائی جاتی ہیں ان کو وہ سرے سے کسی غور و فکر کا مستحق ہی نہیں سمجھتے اور ان کے سننے کا حاصل بھی وہی کچھ ہوتا ہے جو نہ سننے کا تھا۔

۱۰۔ یعنی اسی ایک آیت کا مذاق اڑانے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ تمام آیات کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثلاً جب وہ سنتا ہے کہ قرآن میں فلاں بات بیان ہوتی ہے تو اسے سیدھے معنی میں لینے کے بجائے پہلے تو اسی میں سے کوئی ٹیڑھ تلاش کر کے نکال لیتا ہے تاکہ اسے مذاق کا موضوع بنائے، پھر اس کا مذاق اڑانے کے بعد کہتا ہے: اچی ان کے کیا کہنے ہیں، وہ تو روز ایک سے ایک نرالی بات سنا رہے

لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔ اُن کے آگے جہنم ہے۔ جو کچھ بھی انہوں نے دنیا میں کمایا ہے اس میں سے کوئی چیز اُن کے کسی کام نہ آنے گی، نہ اُن کے وہ سر پرست ہی اُن کے لیے کچھ کر سکیں گے جنہیں اللہ کو چھوڑ کر انہوں نے اپنا ولی بنا رکھا ہے۔ اُن کے لیے بڑا عذاب ہے۔ یہ قرآن سزا میں ہدایت ہے، اور ان لوگوں کے لیے بلا کا دردناک عذاب ہے جنہوں نے اپنے رب کی آیات کو مانسنے سے انکار کیا۔

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لیے سمندر کو مستحکم کیا تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں اُس

ہیں، دیکھو فلاں آیت میں انہوں نے یہ دلچسپ بات کہی ہے، اور فلاں آیت کے لطائف کا جو بوجہ ہی نہیں ہے۔

اللہ اصل الفاظ ہیں مِنْ وَرَاءِ رَبِّهِمْ جَهَنَّمَ۔ وءَاوَاكَ لِقَطْعِ عَرَبِيَّ زَبَانٍ میں ہر اُس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو آدمی کی نظر سے اوجھل ہو، خواہ وہ آگے ہو یا پیچھے۔ اس لیے دوسرا ترجمہ ان الفاظ کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ”ان کے پیچھے جہنم ہے“ اگر پہلے معنی لیے جاتیں تو مطلب یہ ہو گا کہ وہ بے خبر منہ اٹھاتے اس راہ پر دوڑے جا رہے ہیں اور انہیں احساس نہیں ہے کہ آگے جہنم ہے جس میں وہ جا کر گرنے والے ہیں۔ دوسرے معنی لینے کی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ وہ آخرت سے بے فکر ہو کر اپنی اس شرارت میں مشغول ہیں اور انہیں پتہ نہیں ہے کہ جہنم ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔

اللہ یہاں ولی کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے ایک، وہ دیویاں اور دیوتا اور دوزندہ یا مردہ پیشوا جن کے متعلق مشرکین نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جو شخص اُن کا منتوسل ہو وہ خواہ دنیا میں کچھ ہی کرتا رہے، خدا کے ہاں اس کی پکڑ نہ ہو سکے گی، کیونکہ اُن کی مداخلت اسے خدا کے غضب سے بچائے گی۔ دوسرے، وہ سردار اور لیڈر اور مراد و حکام جنہیں خدا سے بے نیاز ہو کر لوگ اپنا رہنما اور مطلع بناتے ہیں، اور انہیں بند کر کے ان کی پیروی کرتے ہیں، اور انہیں خوش کرنے کے لیے خدا کو ناخوش کرنے میں شامل نہیں کرتے۔ یہ آیت ایسے سب لوگوں کو خبردار کرتی ہے کہ جب اس روش کے نتیجے میں جہنم سے ان کو سابقہ پیش آئے گا تو ان دونوں قسم کے سر پرستوں میں سے کوئی بھی انہیں بچا

کمانی کا بدلہ دے۔ جو کوئی نیک عمل کرے گا اپنے ہی لیے کرے گا، اور جو بُرائی کرے گا وہ آپ ہی اس کا خمیازہ بھگنے گا۔ پھر جانا تو سب کو اپنے رب ہی کی طرف ہے۔

منسحق ہے نہ کہ کچھ دوسری ہمتیاں جن کا نہ ان اشیاء اور نوتوں کے پیدا کرنے میں کوئی حصہ، نہ انہیں انسان کے لیے مستحق کرنے اور نافع بنانے میں کوئی دخل۔

۱۵ اصل الفاظ ہیں اَلَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لَفْظِي تَرْجِيْہُ بِہُ ہُو کہ ”جو لوگ اللہ کے دنوں کی توقع نہیں رکھتے“ لیکن عربی محاورے میں ایسے موقع پر آیام سے مراد محض دن نہیں بلکہ وہ یادگار دن ہوتے ہیں جن میں اہم تاریخی واقعات پیش آئے ہوں۔ مثلاً آیام العرب کا لفظ تاریخ عرب کے اہم واقعات اور قبائل عرب کی اُن بڑی بڑی ٹرائیوں کے لیے بولا جاتا ہے جنہیں بعد کی نسلیں صدیوں تک یاد کرتی رہی ہیں۔ یہاں آیام اللہ سے مراد کسی قوم کے وہ بڑے دن ہیں جب اللہ کا غضب اس پر ٹوٹ پڑے اور اپنے کرتوتوں کی پاداش میں وہ تباہ کر کے رکھ دی جائے۔ اسی معنی کے لحاظ سے ہم نے اس فقرے کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ ”جو لوگ اللہ کی طرف سے بڑے دن آنے کا کوئی اندیشہ نہیں رکھتے“ یعنی جن کو یہ خیال نہیں ہے کہ کبھی وہ دن بھی آئے گا جب ہمارے ان افعال پر ہماری شامت آئے گی، اور اسی غفلت نے اُن کو ظلم و ستم پر دلیر کر دیا ہے۔

۱۶ مفسرین نے اس آیت کے دو مطلب بیان کیے ہیں، اور آیت کے الفاظ میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان اس ظالم گروہ کی زیادتیوں پر درگزر سے کام لیں تاکہ اللہ اُن کو اپنی طرف سے اُن کے صبر و حلم اور اُن کی شرافت کی جزا دے اور راہِ خدا میں جو اذیتیں انہوں نے برداشت کی ہیں اُن کا اجر عطا فرمائے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اس گروہ سے درگزر کریں تاکہ اللہ خود اُس کی زیادتیوں کا بدلہ اُسے دے۔

بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ حکم اُس وقت تک تھا جب تک مسلمانوں کو جنگ کی اجازت نہ دی گئی تھی۔ پھر جب اس کی اجازت آگئی تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ لیکن آیت کے الفاظ پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نسخ کا یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ درگزر کا لفظ اس

اس سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا کی تھی۔ اُن کو ہم نے عمدہ سامانِ زینت سے نوازا، دنیا بھر کے لوگوں پر انہیں فضیلت عطا کی، اور دین کے معاملہ میں انہیں واضح ہدایات دے دیں۔ پھر جو اختلاف اُن کے درمیان رونما ہوا وہ زنا و افضیت کی

معنی میں کبھی نہیں بولا جاتا کہ جب آدمی کسی کی زیادتیوں کا بدلہ لینے پر قادر نہ ہو تو اس سے درگزر کرے، بلکہ اس موقع پر صبر، تحمل اور برداشت کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کو چھوڑ کر جب یہاں درگزر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے تو اس سے خود بخود یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اہل ایمان اتھام کی قدرت رکھنے کے باوجود اُن لوگوں کی زیادتیوں کا جواب دینے سے پرہیز کریں جنہیں خدا سے بے خوفی نے اخلاق و آدمیت کی حدیں توڑ ڈالنے پر جبری کر دیا ہے۔ اس حکم کا کوئی نغاض اُن آیات سے نہیں ہے جن میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے۔ جنگ کی اجازت کا نعلق اُس حالت سے ہے جب مسلمانوں کی حکومت کسی کا فر قوم کے خلاف یا قاعدہ کارروائی کرنے کی کوئی معتول وجہ پائے اور عفو و درگزر کا حکم اُن عام حالات کے بیٹے جن میں اہل ایمان کو خدا سے بے خوف لوگوں کے ساتھ کسی کسی طرح سے سابقہ پیش آئے اور وہ انہیں اپنی زبان و قلم اور اپنے بڑاؤ سے طرح طرح کی آفتیں دیں۔ اس حکم کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان اپنے مقام بلند سے نیچے اتر کر ان لپست اخلاق لوگوں سے اُبھنے اور جھگڑنے اور ان کی ہرزہ بوردگی کا جواب دینے پر نہ اتر آئیں جب تک قناعت اور مقبولیت کے ساتھ کسی الزام یا اعتراض کا جواب دینا یا کسی زیادتی کی مدافعت کرنا ممکن ہو، اس سے پرہیز نہ کیا جائے۔ مگر جہاں بات ان حدود سے گزرتی نظر آئے وہاں چپ سا دھلی جائے اور معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ مسلمان ان سے خود اُبھیں گے تو اللہ اُن سے نمٹنے کے لیے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے گا۔ درگزر سے کام لیں گے تو اللہ خود ظالموں سے نمٹے گا اور مظلوموں کو ان کے تحمل کا اجر عطا فرمائے گا۔

۲۱۔ حکم سے مراد تین چیزیں ہیں۔ ایک، کتاب کا علم و فہم اور دین کی سمجھ۔ دوسرے، کتاب کے منشا کے مطابق کام کرنے کی حکمت۔ تیسرے، معاملات میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت۔

وجہ سے نہیں بلکہ، علم آجانے کے بعد ہوا اور اس بنا پر ہوا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر زیادتی کرنا چاہتے تھے۔ اللہ قیامت کے روز ان معاملات کا فیصلہ فرما دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد اب نبی، ہم نے تم کو دین کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ (شرعیّت) پر قائم کیا ہے۔ لہذا تم اسی پر چلو اور ان لوگوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو جو علم نہیں رکھتے اللہ کے مقابلے میں وہ تمہارے کچھ بھی کام نہیں آسکتے۔ ظالم لوگ ایک دوسرے کے ساتھی ہیں، اور متقیوں کا ساتھی اللہ ہے یہ بصیرت کی روشنیاں ہیں سب لوگوں کے لیے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو یقین لائیں۔

۲۱۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے انہیں تمام دنیا والوں پر فضیلت عطا کر دی، بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اُس زمانے میں دنیا کی تمام قوموں میں سے نبی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے اس خدمت کے لیے چن لیا تھا کہ وہ کتاب اللہ کے حامل ہوں اور خدا پرستی کے علمبردار بن کر اٹھیں۔

۲۲۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر القرآن جلد اول ص ۱۶۲-۱۶۳-۱۶۴-۲۲۹-۲۳۰ جلد چہارم الشوری

حواشی نمبر ۲۲-۲۳ -

۲۳۔ مطلب یہ ہے کہ جو کام پہلے نبی اسرائیل کے سپرد کیا گیا تھا وہ اب تمہارے سپرد کیا گیا ہے انہوں نے علم پانے کے باوجود اپنی نفسا نفسی سے دین میں ایسے اختلافات برپا کیے، اور آپس میں ایسی گزہ بندیاں کر دیں جن سے وہ اس قابل نہ رہے کہ دنیا کو خدا کے راستے پر بلا سکیں۔ اب اسی دین کی صاف شاہراہ پر نہیں کھڑا کیا گیا ہے تاکہ تم وہ خدمت انجام دو جسے نبی اسرائیل چھوڑ بھی چکے ہیں اور ادا کرنے کے اہل بھی نہیں رہے ہیں۔ دوزید تشریح کے لیے ملاحظہ ہو الشوری، آیات ۳ تا ۱۵ مع حواشی ۲۰ تا ۲۶

۲۴۔ یعنی اگر تم انہیں راضی کرنے کے لیے اللہ کے دین میں کسی قسم کا رد و بدل کرو گے تو اللہ کے مواخذہ سے وہ تمہیں نہ بچا سکیں گے۔

۲۵۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اور یہ شریعت دنیا کے تمام انسانوں کے لیے وہ روشنی پیش کرتی ہے جو حق اور باطل کا تفرق نمایاں کرنے والی ہے۔ مگر اس سے ہدایت وہی لوگ پاتے ہیں جو اس کی صداقت پر یقین لائیں، اور انہی کے حق میں یہ رحمت ہے۔